ہے اور روح القدس کی عنایت سے پھل لائے گا۔ دوسرے مذاہب چرچ کے لیے ایک مثبت چیلنج ہیں۔ یہ مذاہب کلیسیاء کو مسیح کے نشانات کی موجودگی اور روح القدس کے کام کو جاننے اور تسلیم کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ کلیسیاء کو اپنی شناخت کا جائزہ لینے اور اُس الہام کی بھرپور گواہی کا موقع دیتے ہیں جو اُس کے پاس سب کی بھلائی کے لیے موجود ہے۔"

مکالمہ بین المذاہب نہ صرف ممکن ہے بلکہ یہ ہر مسیحی کا انفرادی اور اجتماعی فریضہ ہے۔ مزید براں مکالمے کے لیے ایک وسیع میدان موجود ہے۔ اس کی شکلیں اور انداز مختلف اور متعدد ہو سکتے ہیں۔ مذہبی روایتوں کے ماہرین یا ان روایتوں کے نمائندوں کے درمیان تبادلۂ خیال سے لے کر مربوط ترقی کے لیے باہمی تعاون اور مذہبی اقدار کا تحفظ تک مکالمے میں شامل ہیں۔ اسی طرح اپنے اپنے روحانی تجربات میں شراکت سے لے کر زندگی کا وہ مکالمہ بھی اس کا حصّہ ہے جس کے ذریعے مختلف مذاہب کے ماننے والے روز مرّہ زندگی میں دوسروں کے سامنے اپنی اپنی انسانی اور روحانی قدروں کی گواہی دیتے ہیں اور زیادہ منصفانہ، برادرانہ معاشرے کی تشکیل کے لیے ان اقدار کے مطابق زندگی گزارنے میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔"

چرچ حکّام نے مکالمہ بین المذاہب کی آئے دن بڑھتی ہوئی اہمیت پر اکثر زور دیا ہے۔ پوپ جان پال دوم نے جب اکتوبر ۱۹۸۹ء میں جکارتا (انڈونیشیا) کا دورہ کیا تو اُنہوں نے "مکالمۂ زندگی، مکالمۂ عمل" اور "دینیاتی تبادلۂ خیال کے مکالمے" کے ساتھ ساتھ مذہبی تجربے کے مکالمے پر گفتگو کی جس کے تحت، اپنی اپنی مذہبی روایات کے مطابق زندگی بسر کرنے والے دعا و مراقبہ جیسی اپنی اپنی روحانی ثروت مندیوں میں ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں۔ (دی کرسچن وائس، کراچی - ۳۱ مارچ ۱۹۹۶ء)

ایشیا

پاکستان: مجوّزہ انتخابی اصلاحات پر ردِ عمل

مجوّزہ انتخابی اصلاحات پر ردّ عمل مسلسل سامنے آ رہا ہے۔ ماہنامہ "عالمِ اسلام اور عیسائیت" کے شمارہ بابت اپریل میں چند اقتباسات پیش کیے جا چکے ہیں۔ پچھلے ماہ ماہنامہ کاریتاس (لاہور) میں جناب پیٹر جیکب نے اس ردّ عمل کا جائزہ لیا ہے۔ جناب جیکب اپنے تجزیے میں اس نتیجے میں پہنچے ہیں کہ اقلیتوں کو دوہرے ووٹ کا حق دیے جانے پر اقلیتی رہنماؤں اور اشتراکی ذہن رکھنے والے سیاست دانوں نے پاکستان پیپلز پارٹی اور اس کے اتحادیوں کی حالیہ مجوّزہ اصلاحات کی تائید کی ہے جب کہ اسلامی - دینی

رہنماؤں نے انہیں مسترد کر دیا ہے۔ پاکستان مسلم لیگ (نواز شریف گروپ) نے جناب جیکب کے الفاظ میں "براہِ راست دوہرے ووٹ کو محتاط طریقے سے لیا ہے اور تحمل کر مخالفت نہیں کی۔"

ردِ عمل کا جائزہ لینے کے بعد جناب جیکب نے اِس سوال کا جواب تلاش کیا ہے کہ انتخابی اصلاحات کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی؟ اقلیتوں کو دوہرے ووٹ کا حق دینے کا جہاں ایک سبب یہ ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی نے اپنے انتخابی وعدے کی تکمیل کی کوشش کی ہے، وہیں جناب جیکب نے صورتِ حال کے بارے میں یہ اندازے بھی لگائے گئے ہیں۔

ایک اندازہ یہ ہے کہ حکومت کو اِس بات کا احساس ہو چکا ہے کہ موجودہ (جاگیردارانہ) جمہوریت پر مبنی سسٹم ناکام ہو رہا ہے۔ اسی وجہ سے مہنگائی، بے روزگاری اور امنِ عامہ جیسے مسئلے کنٹرول سے باہر ہوتے جا رہے ہیں۔ حکومت کو امریکہ سے دفاعی تعاون نہ ملنے پر بھی داخلی اور خارجی تشویش کا سامنا ہے، اس لیے حکومت کچھ ایسے معاملات کو حل کرنے میں دلچسپی رکھتی ہے جن سے اس کی نیک نامی ہو، تاکہ آئندہ انتخابات تک حکومت کے کریڈٹ پر کچھ چیزیں ہوں۔ حکومت کے اپوزیشن سے رابطے اور نرم لہجہ اور ۱۲ مارچ کو کوڑوں کی سزا کے خاتمے کے بِل کا پاس ہونا حکومت کے رویّہ میں سنجیدہ تبدیلی کی نشانی ہے۔ دوہرے ووٹ کا مسئلہ بھی اسی رویّے میں تبدیلی اور اس کے محرکات سے جُڑا ہوا ہے، لہٰذا حکومت اس میں سنجیدہ ہے۔

دوسرا اندازہ یہ ہے کہ حکومت نے اس گمان میں کہ غیر مسلم شہریوں کی ہمدردیاں اُن کی جماعت کے ساتھ ہیں، دوہرے ووٹ کی تجویز کی شکل میں (اور اس فیصلے کے بعد زیادہ ہوں گی) اپوزیشن کو کم فہم اور کج رو ثابت کرنے کے لیے ایک چال چلی ہے، کیونکہ اسے اندازہ تھا کہ مذہبی جماعتیں اس کی مخالفت کریں گی۔ رائے عامہ ان کے اور خلاف ہو جائے گی۔ مسلم لیگ (ن) اس کی مخالفت کرے گی تو اندرون اور بیرونِ ملک اس کے تنگ نظر ہونے کا تاثر قائم ہو جائے گا، اس لیے کہ حکومت اگر انتخابی نظام اور آئین میں تبدیلی و ترمیم پر سنجیدہ ہوتی تو سب سے پہلے آٹھویں ترمیم کو ختم یا تبدیل کرنے کا بِل پیش کرتی، کیونکہ اس وقت جب کہ صدرِ پاکستان اُن کی پارٹی کے ہیں، اور اپوزیشن کو بھی صدر کے صوابدیدی اختیارات کا مسئلہ ہے تو حالات آٹھویں ترمیم کے خاتمے کے لیے سازگار تھے، اس لیے دوسرے اندازے میں حکومت کی اس معاملے پر سنجیدگی کو شک کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔

تیسرا اندازہ یہ ہے کہ حکومت اس فیصلے کے بعد [کہ وہ] دُوہرے ووٹ کا نظام رائج کرے گی، ایک چوراہے پر کھڑی ہے۔ کابینہ کا یہ فیصلہ نہ جانے کس انجام کو پہنچے، کیونکہ موجودہ اور سابقہ کابیناؤں کے بہت سے فیصلے ہیں جن کو قانونی حیثیت ملنا اور لاگو ہونا نصیب نہیں ہوا۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اگر حکومت دُوہرے ووٹ کا نظام لاگو کرنا چاہتی ہے تو اس کے پاس کون سے آئینی اور قانونی

راستے ہیں جن سے گزر کر وہ یہ کر سکے گی۔ اس کی بظاہر تین صورتیں نظر آتی ہیں۔

۱۔ آئینِ پاکستان میں (دو تہائی اکثریت سے) ترمیم

۲۔ عدالتوں سے آئین کی تشریح کروائی جائے۔ (آئین کے اندر تضادات، قباحتوں اور بھول چوک سے فائدہ اٹھائے)

۳۔ صدارتی آرڈیننس (انتخابی قواعد میں تبدیلی کروا کے)

پہلی صورت یعنی آئین میں ترمیم کافی مشکل ہوگی۔ تیسری صورت آخری حربے کے طور پر اور الیکشن کے قریب ہونے پر آزمائی جانے کا امکان ہے، لہٰذا بہت حد تک صرف دوسری صورت یعنی آئین کی تشریح کروانے کی صورت کو استعمال کرنے پر سوچا جائے گا۔ تیسرے امکان یعنی انتخابی قواعد و ضوابط میں تبدیلی کو بھی صدارتی آرڈیننس جاری کروانے کی بجائے پارلیمنٹ میں بل کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے اور اس کے پاس ہونے کے بھی سو میں سے نصف امکانات ہیں۔ کیونکہ اپوزیشن کی بڑی جماعت مسلم لیگ (ن) کے علاوہ سینیٹ کے چیئرمین وسیم سجاد انتخابی اصلاحات کو مجموعی طور پر رد کر چکے ہیں، حتیٰ کہ حکومت کے اپنے اتحادی نوابزادہ نصر اللہ خان اور مولانا فضل الرحمٰن نے دوہرے ووٹ کی مخالفت کر دی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حکومت کون سی حکمتِ عملی استعمال کرتی ہے۔ چونکہ جُداگانہ چناؤ کے خاتمے کے لیے جو بھی حکومت اور جب بھی کوئی اقدام کرے گی، اسے نہ صرف جرأت مندی بلکہ سیاسی حکمتِ عملی سے کام لینا ہوگا۔ (ماہنامہ کارِستاس، لاہور - مارچ - اپریل ۱۹۹۶ء)

مساوی حقوق کے لیے مخلوط طریقِ انتخاب ضروری ہے۔

پروٹسٹنٹ کلیسیاؤں کی نمائندہ تنظیم "نیشنل کونسل آف چرچز اِن پاکستان" کے زیرِ اہتمام "انتخابی اصلاحات اور اقلیتیں" کے عنوان سے ۲۶ اپریل ۱۹۹۶ء کو لاہور میں ایک سیمینار منعقد ہوا، جس میں پروٹسٹنٹ کلیسیائی رہنماؤں کے ساتھ کیتھولک رہنماؤں، مسیحی سیاسی کارکنوں اور بعض لبرل - سیکولر مسلمان دانشوروں نے بھی شرکت کی۔ سیمینار کے مہمانِ خصوصی جناب فخر زمان چیئرمین "نیشنل کمیشن برائے تاریخ و ثقافت" تھے۔

جناب فخر زمان نے اپنے خطاب میں "اقلیتوں کو درپیش مسائل، امتیازی قوانین اور انتخابی اصلاحات" کے سلسلے میں حکومتی نقطۂ نظر پیش کرتے ہوئے کہا کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت اقلیتوں کو قائداعظم کے نظریۂ پاکستان کے مطابق حقوق دینے کی داعی ہے، جب کہ سابق حکمرانوں نے تو قائداعظم کی ۱۱ اگست [۱۹۴۷ء] کی نظریۂ پاکستان پر مبنی تقریر کو ہی اُن کے ارشادات کے مجموعہ سے خارج کر دیا ہوا ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ پاکستان کی تاریخ کو ازسرِ نو مرتب کرنے کے لیے کام